یہاں پر ہر چیز متنازعہ ہے!

ستائیس دسمبر 1926 کو ٹائم میگزین کے سرورق پر الفریڈ سلون (AlfredSloan) کی تصویر شائع ہوئی۔ اردگرد سنہری حاشیہ سے مزید زیبائش پیدا کی گئی تھی۔ درج تھا "وہ شخص جس نے صنعتی دنیا تبدیل کر ڈالی"۔ کم لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ یہ کاروباری جینس انسان کون تھا، کیا تھا اور کس طرح سوچتا تھا۔ جی ایم موٹرز گاڑیاں بنانے کی سب سے بڑی امریکی کمپنی تھی۔ ایک صدی پہلے کاروں کی صنعت ابتدائی منزل پر تھی۔ اس وقت الفریڈ، اس کمپنی کا سربراہ بنا۔ اس کی دانش اور عملیت پسندی نے دنیا میں انقلاب برپا کر ڈالا۔ جی ایم موٹرز کا ڈنکا ہر سُو بجنے لگا۔ کمپنی کا منافع کئی ترقی پذیر ممالک کی مجموعی دولت کے برابر تھا۔ یہ ترقی تو خیر حیران کن تھی ہی، مگر الفریڈ کے خیالات حد درجہ انوکھے تھے۔ دنیا کی تمام یونیورسٹیاں اسے ہزاروں ڈالر دیتی تھیں کہ طالبعلموں کو تھوڑا سا وقت دے تاکہ انہیں کاروبار کرنے کا فن معلوم ہو پائے۔ الفریڈ جب بات کرتا تھا تو ہزاروں لوگ دم بخود سن رہے ہوتے تھے۔ اسکے ساتھ ساتھ سیاست اور نظام پر بھی محیر العقول باتیں کرتا تھا۔ اسکے نزدیک "دنیا کا کوئی نظام مکمل نہیں ہے۔ کسی بھی سسٹم میں بھرپور طریقے سے عام آدمی کی بھلائی ممکن نہیں ہو سکتی۔ لہذا حکومتی نظام کو ہر دم تغیر میں رہنا چاہیے۔ جہاں کسی حکمران کے ذہن میں یہ آگیا کہ اس نے عوامی بہبود کا ناممکن کام ممکن کر دیا ہے۔ ٹھیک اسی وقت سے معاشرے اور حکومت کا انحطاط شروع ہو جائیگا"۔ دوسری بات پہلے سے بھی انوکھی ہے۔ کہتا تھا کہ "لوگوں کی واضح اکثریت صرف اور صرف خیال (Perception) کے تحت زندگی گزارتی ہے۔ حقیقت سے انکا تعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کسی بھی طبقہ کے گمان کو مضبوط کر دیا جائے، تو وہ اسی کو سچ سمجھنا شروع ہو جاتا ہے۔ انکے نزدیک یہی سب کچھ حقیقت بن جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ اپنے خیال کو دلیل کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اسکے بعد ان سے سچ کے مطابق کوئی ذی شعور کسی قسم کی بحث نہیں کر سکتا"۔ الفریڈ کے لیکچر سنکر لوگ حیران ہو جاتے تھے۔ صنعتی اور سیاسی دنیا میں کئی دہائیاں طاقتور ترین کاروباری اشخاص اور سیاستدان، الفریڈ کی حکمت، دانش اور حکایتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ 1950 میں اسکی لکھی ہوئی کتاب Myyearswithgeneralmotors آج بھی بین الاقوامی درسگاہوں میں ٹیکسٹ بک کے طور پر استعمال کیجاتی ہے۔ الفریڈ سلون پاکستان بننے کے انیس برس بعد فوت ہوا۔ کبھی برصغیر نہیں آیا۔ اسے دنیا کے اس خطے کا کسی قسم کا ادراک نہیں تھا۔ اسکے باوجود آج اگر ہم اپنے سیاسی، سماجی، ریاستی نظام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ الفریڈ دراصل ہمارے ہی معاشرے کے متعلق بات کر رہا تھا۔ سچ کو غلط ثابت کرنا اور جھوٹ کو حقیقت بنانے کے فن میں ہم تمام لوگ یکتا ہیں۔ دانشوروں کی اکثریت حکومتوں پر ہر دم تنقید کرتی رہتی ہیں۔ یہ قطعاً غیر موزوں نہیں۔ مگر بائیس کروڑ عوام کیا ہیں۔ انکی سوچ کیا ہے یا کیا بنادی گئی ہے۔ کیا یہ تمام لوگ سچ سننے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جن پر ہمارے سماج میں بات نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی یہ کہنے کی کوشش کرتا ہے، تو یا تو اسے ذہنی، جسمانی طور پر مار دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں کسی مغربی ملک میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہمارے سیاستدانوں کی اکثریت عوام کی اس کمزوری کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے جھوٹ کو اس قدر خود اعتمادی سے دہراتے رہتے ہیں کہ عوام کی اکثریت کیلئے سچ بن جاتا ہے۔ ہمارے مفکرین کی اکثریت کسی نہ کسی گروہ بندی کا شکار ہے۔ عام لوگوں کے سامنے "اپنا مخصوص سچ" فروخت کرتے ہیں۔ لہذا جھوٹ، مبالغہ اور سچ کا ملغوبہ سا عوام کے سامنے آتا ہے جس سے ہر ایک اپنے مطلب کے نتائج کشید کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہم تمام، بائیس کروڑ شناختی کارڈ ذہنی طور پر پھنس کر رہ چکے ہیں۔ یہ صورت حکمران طبقہ کیلئے حد درجہ موزوں ہے۔

ہم اپنے سیاسی نظام اور اداروں کی صلاحیت پر ہر طرح کے ارشادات فرماتے رہتے ہیں۔ میرا کسی سیاسی پارٹی یا گروہ سے کوئی تعلق نہیں۔ طالبعلم کا عشق تو صرف اور صرف اس ارض پاک سے ہے۔ کیا یہ واقعی جھوٹ ہے کہ سابق حکمرانوں نے قیامت خیز کرپشن کی ہے۔ کیا اربوں ڈالر یعنی کھربوں روپے کی لین دین واقعی کاروبار کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی ہے۔ کیا بڑے سے بڑا تاجر صرف بتیس برس میں اتنی خطیر دولت کما سکتا ہے۔ کم از کم شعوری طور پر اسکی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مگر یہ صرف ایک الزام بنکر رہ چکا ہے۔ کیوں کہ ہمارے پاس اتنے پیچیدہ معاملہ کو منطقی انجام تک پہنچانے کی تحقیقی اور عدالتی استطاعت نہیں ہے۔ اب ہو کیا رہا ہے کہ ذاتی انتقام والا بیانیہ سیاسی کارکنوں کیلئے حقیقت بن چکا ہے۔ کسی ورکر سے پوچھ لیں۔ پورے اعتماد سے فرمائیگا کہ ظلم ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ سیاسی منتقم مزاجی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے فی الفور ختم ہونا چاہیے۔ گہرائی سے پرکھیے۔ ن لیگ کی قیادت نے اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کو کامیابی سے متنازعہ بنا دیا ہے۔ یہی حال پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کا ہے۔ انکی بری حکومتی کارکردگی اور معاشی رہزنی کے متعلق کوئی ہلکی سی گفتگو کریں۔ دوسرے درجہ کی قیادت پنجے جھاڑ کر آپکا جینا حرام کر دیتی ہے۔ اٹھارویں ترمیم اور جمہوریت کی ایسی گرد اُٹھاتے ہیں کہ اصل نکتہ یعنی کرپشن پر بات کرنی قدرے مشکل ہو جاتی ہے۔ پیپلز پارٹی سے بھٹو خاندان کا صفایا ہو چکا ہے۔ پیپلز پارٹی سے اس طرح کے سوال کرنے کی جرات تو کریں۔ آپکو جمہوریت دشمن اور اسٹیبلشمنٹ کا ساتھی قرار دیدیا جائیگا۔ جھوٹ کو اس تسلسل سے بولا جاتا ہے کہ آپکی کہی اور لکھی گئی حقیقت بھی متنازعہ بن جاتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا دونوں سیاسی جماعتوں کے زمینی خدا، لندن یا امریکہ میں اپنا موجودہ سیاسی و کاروباری بیانیہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ کیا اس شہرت کے مالک اپنے کثیر سرمایہ کے باوجود ہاؤس آف کامنز کے ممبر بن سکتے ہیں۔ جناب یو کے کے ادارے ان کو گرفت میں لے لیں گے۔ یہ اگر وہاں الیکشن لڑنے کی ہمت کریں، تو عوامی غصے اور رویوں کا سیلاب ہوگا۔ اس لیے کہ مغربی ممالک کافی حد تک سیاسی کھوٹ کو پہچاننے کا فہم رکھتے ہیں۔ خیر جانے دیجئے۔ موجودہ حکومت کی طرف آیئے۔ یہ درست ہے کہ الیکشن میں کیے گئے وعدے صرف اعلانات ہی رہتے ہیں۔ انکو وفا کرنے کیلئے سیاسی لیڈر نہیں بلکہ گہری نظر رکھنے والا سٹیٹس مین ہونا چاہیے۔ المیہ یہ ہے کہ عمران خان نے الیکشن سے پہلے اپنے پے در پے اعلانات کی بدولت لوگوں کی توقعات سیاسی تبدیلی نہیں بلکہ ایک انقلاب کے طور پر پیش کی تھیں۔ اکثریت نے سماجی کارناموں کی تکمیل کرنے کی وجہ سے آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا۔ مگر جب عمل کی نوبت آئی، تو معاملات تکلیف دہ حد تک خراب ہو گئے۔ ایک بھی ایسا کام نہ ہو پایا جس سے عام آدمی کو سہولت حاصل ہو پائے۔ تعلیم کی بدحالی جوں کی توں ہے۔ سرکاری ہسپتال اَبتری کی مثال بن چکے ہیں۔ سرکاری عمال قیامت خیز کرپشن میں مصروف ہیں۔ سیاسی رہنما بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ کوئی بات دلیل کے بغیر نہیں کر رہا۔ 18-1917 کا C.P.IIndex اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ 2020 کے انڈکس سے موازنہ فرمالیجئے۔ حکومت کے خود شائع کردہ اعداد و شمار دیکھ کر پسینہ آجائیگا۔ مہنگائی بڑھی نہیں ہے۔ قیمتوں کا پورا نظام شدید عدم توازن کا شکار ہو چکا ہے۔ قوت خرید تو کم ہوئی ہی ہے۔ مگر 18-2017 سے آج اشیاء خورونوش کا تقابلی مقابلہ کیا جائے، تو یقین نہیں آتا کہ اُس وقت چیزوں کی قیمت اس درجہ کس طور پر اتنی کم تھیں۔ دکھ یہ بھی ہوتا ہے کہ خان صاحب ہمیشہ ConflictofInterest کا اخلاقی درس دیتے تھے۔ آج بجلی، صنعت اور دیگر تمام کلیدی مقامات پر وہ گرک جہاں دیدہ براجمان ہیں، جنکا اپنی وزارتوں سے منسلک ذاتی کاروبار ہیں۔ اس پر بات کریں تو ایک ٹیپ ریکارڈر بجنا شروع ہو جاتا ہے کہ سابقہ حکومتوں کا کیا دھرا ہے۔ طالبعلم کا سوال تو یہ ہے کہ ڈھائی برس میں آپ نے عام لوگوں کی زندگی میں کتنی آسانیاں پیدا کی ہیں۔

بائیس کروڑ لوگوں کو دھوکہ اور فریب کے دھواں میں مقید کر دیا گیا ہے۔ انکی مشکلات حد درجہ بڑھ چکی ہیں۔ تمام سیاسی اکابرین عوام کے سامنے اپنا اپنا متنازعہ سچ بول رہے ہیں۔ دلیل پر بات کرنے والا ناپسندیدہ ترین انسان قرار دیا جاتا ہے۔ پھر الفریڈ سلون کے جملے یاد آجاتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت کا سچ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انکے گمان کو حکمران ذاتی فائدہ کے مطابق حقیقت بنا دیتے ہیں۔ یہ حکایت ہمارے لیے تو بالکل درست ہے۔ کیونکہ عوام اور حکمران یہاں ہر چیز کو متنازعہ بنانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ لہذا ہمارے لیے سچ بے معنی ہے!